بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکّی دور کے بعض اہم واقعات[1]

سید جلال الدین عمری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علی الاعلان دعوت کا حکم دیا گیا تو آپ نے اہلِ خاندان کو بھی اسلام کی دعوت دی اور دوسرے قبائل کے درمیان بھی کھل کر اسلام کو پیش فرمایا۔ اس سے ماحول میں ایک ہلچل سی پیدا ہوگئی اور ہر طرف سے مخالفت شروع ہوگئی۔ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے آپ کی دعوت کے بنیادی نکات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

آپ نے جس وقت دعوت کا آغاز فرمایا مکہ کا پورا معاشرہ شرک و بت پرستی میں مبتلا تھا۔ قرآن مجید نے اس پر زبردست تنقید کی کہ اس کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔ یہ عقلِ سلیم اور صحیح فطرت کے خلاف ہے۔ یہ بے جان بت تمہارے کچھ کام نہیں آسکتے۔ ان میں نفع و ضرر کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ موت و حیات، مرض و صحت اور فقر و غنا ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ تمہاری ضرورتوں کی تکمیل سے قاصر ہیں۔ یہ بولتے نہیں، دیکھتے اور سنتے نہیں، خود سے حرکت نہیں کرسکتے اور کسی چیز کو پکڑ نہیں سکتے۔ ان سے جو فریاد کی جاتی ہے وہ فضا میں تحلیل ہو کر رہ جاتی ہے۔

قرآن مجید نے شرک اور بت پرستی کے مقابلے میں توحیدِ خالص کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ذات و صفات کا صاف ستھرا تصوّر دیا اور واضح کیا کہ اس کائنات

---

[1] مکی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی حکمت عملی' کے عنوان سے سہ ماہی تحقیقات اسلامی میں دو قسطیں شائع ہوچکی ہیں ملاحظہ ہو۔ اپریل۔جون ۱۹۹۸ء اور جولائی۔ستمبر ۱۹۹۸ء۔ یہ مضمون بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے (جلال الدین)

کا ایک ہی خالق و مالک اور فرماں روا ہے۔

اس نے انسان کو حیثیت واضح کی کہ وہ اللہ کا بندہ ہے وہی اس کا معبودِ حقیقی ہے۔ صرف اسی کی عبادت اس کے لیے روا ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ انسان کو اللہ کی اطاعت اور عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ یہاں من مانی اور بے قید زندگی نہیں گزار سکتا۔ بلکہ اسے اللہ کی ہدایت کا پابند ہونا چاہیے اسی میں اس کی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر دور میں اپنے رسولوں کے ذریعہ انسان کی ہدایت کا انتظام کرتا رہا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اسی کی ہدایت پیش کر رہے ہیں۔ آپ کی رسالت کا انکار اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا انکار ہے۔ آخرت کا آنا برحق ہے جہاں انسان اپنے اعمال کی جزا و سزا پائے گا۔ نیکوکار جنت کے مستحق قرار پائیں گے اور بدکاروں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

اس نے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔ اخوت و محبت، عدل و انصاف، راست بازی، عفت و عصمت، دیانت و امانت اور ایفائے عہد جیسی صفات کی ترغیب دی اور انھیں اختیار کرنے کا حکم دیا، ظلم و زیادتی، حق تلفی، کذب و افترا، زنا اور بدکاری، خیانت اور بدعہدی اور مکر و فریب جیسے رذائلِ اخلاق سے دور رہنے اور اجتناب کرنے کی ہدایت کی۔

اس نے کہا کہ خدا، رسول اور آخرت کا انکار انسان کو بے لگام بنا دیتا ہے۔ وہ جواب دہی کے احساس سے خالی ہو کر کسی بھی وادی میں بھٹک سکتا ہے۔ خدا بیزار اور آخرت فراموش انسان بلندیٔ کردار سے محروم اور اخلاق کی پستی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی خواہش اور اپنے مفاد کی تکمیل کے لیے جو کچھ بھی کر گزرے کم ہے۔ اس کے بعد ظلم و زیادتی اور فتنہ و فساد کی آگ سے سوسائٹی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اس دنیا میں امن و امان، عدل و انصاف، صرف خدا پر ایمان، آخرت کے خوف اور رسول کی اتباع ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جن قوموں نے اس کی پابندی اختیار کی وہ ہمیشہ کامیاب رہیں اور جنھوں نے مخالفت کی راہ اپنائی وہ صفحۂ زمین سے مٹا دی گئیں۔

اس نے پوری قوم سے اور خاص طور پر سردارانِ قریش سے کہا کہ وہ دینِ حق

کی مخالفت نہ کریں اور اپنی غلط روش سے باز آجائیں ورنہ وہ بھی تباہ ہو جائیں گے۔

قرآن مجید کی یہ تعلیمات اور تنبیہات روزِ اول سے اسلوب بدل بدل کر وضاحت کے ساتھ مسلسل نازل ہو رہی تھی اور دعوتِ عام کی وجہ سے وہ مخاطبین کی بڑی تعداد تک پہنچنے لگیں۔ ہر جگہ اس کا چرچا ہونے لگا۔ اس کے نتیجہ میں ایک طرف مختلف قبائل سے افراد ٹوٹ ٹوٹ کر اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے شروع ہو گئے، دوسری طرف اس کا پورے ماحول پر ردِ عمل ہوا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہونے لگی اور وہ وقت کے ساتھ شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جو ردِ عمل ہوا اس کے بارے میں امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام کی دعوت کھلے اور چھپے ہر طریقے سے دے رہے تھے اور آپ پر ایمان لانے والے ایمان لا رہے تھے۔ ان میں زیادہ تر نوجوان اور کمزور افراد تھے۔ آپ کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ بھی ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود کفارِ قریش نے آپ کی مخالفت نہیں کی البتہ جب کبھی ان کی مجلسوں سے آپ کا گزر ہوتا تو اس طرح کے فقرے کس دیا کرتے تھے کہ عبدالمطلب کے گھر کا یہ لڑکا آسمان سے بولتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کے خداؤں کی، جن کی وہ اسے چھوڑ کر عبادت کر رہے تھے، نکتہ چینی کی اور کہا کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے اور ان کے آباو اجداد کے متعلق، جن کا حالتِ کفر میں انتقال ہوا، فرمایا، وہ آخرت میں تباہ ہوں گے، تو ان کی طرف سے بغض و عداوت کا اظہار ہونے لگا اور وہ آپ کے دشمن بن گئے[۱]

یہ بات ابنِ اسحاق نے بھی کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۱۹۹، طبع بیروت ۔ زرقانی شرح المواہب اللدنیہ: ۱/۲۶۲ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۶ء السیرۃ الحلبیۃ (انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون): ۱/۴۶۱م۔ دار المعرفۃ بیروت۔ شیخ حسین دیار بکری۔ الخمیس فی احوال انفس نفیس: ۱/۳۲۵۔

کے کھل کر اسلام کو پیش کرنے اور دعوت دینے کی وجہ سے، میری معلومات کی حد تک آپ کی قوم نے آپ سے دوری اختیار نہیں کی لیکن جب آپ نے ان کے معبودوں کا ذکر کیا اور ان پر نکتہ چینی کی تو اسے انھوں نے بڑی بات سمجھا اور محاذ آرائی شروع کر دی اور سوائے ان چند افراد کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دعوت سے نوازا تھا اور جو تعداد میں تھوڑے تھے اور اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے، سب آپ کی مخالفت اور دشمنی میں ایک ہو گئے۔[۱]

مشہور صحابی اور دور اوّل کے مورّخ عروہ بن زبیرؓ، عبدالملک بن مروان کو لکھتے ہیں:

فإنه لما دعا قومه لما	جب آپ نے اپنی قوم کو اس دین
بعثه الله من الهدى	کی دعوت دی جس کے لیے اللہ نے
والنور الذي انزل معه لم	آپ کو مبعوث فرمایا، جس میں ہدایت
يبعدوا منه اول ما دعاهم	اور وہ نور ہے جو آپ پر نازل ہوا تو
وكادوا يسمعون له حتى	انھوں نے آپ کی دعوت کے آغاز
ذكر طواغيتهم۔[۲]	میں آپ سے دوری نہیں اختیار کی لیکن
	جب آپ نے ان کے طواغیت کا ذکر
	کیا تو وہ دور ہو گئے۔

غالباً اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بتوں کو سجدہ کر رہے ہیں آپ نے انھیں اس سے منع کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے تو اپنے باپ ابراہیمؑ کے مذہب کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اس کا ان لوگوں نے وہی جواب دیا جو دنیا کی ہر مشرک قوم دیتی ہے کہ ہم تو محض اس لیے ان کی عبادت کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیں۔ آپ نے ان کے اس خیال پر تنقید کی اور اسے غلط اور باطل ٹھہرایا۔[۳]

---

[۱] ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۰۱۔ طبع جدید بیروت ۱۹۹۴ء

[۲] طبری، تاریخ الامم والملوک: ۱/۵۴۶۔ دار الکتب العلمیہ۔ بیروت ۱۹۹۷ء

[۳] زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ: ۱/۳۶۲م۔ السیرۃ الحلبیۃ: ۱/۳۶۱م

اسی قسم کی تنقیدیں تھیں جو آپ کی مخالفت کا سبب بن گئیں۔ ۴ نبوت میں دعوتِ عام کا آغاز ہوا، بعض مؤرخین کا خیال ہے ۵ نبوت میں آپ کی مخالفت میں شدت آگئی۔[۱]

ان نازک حالات میں اللہ تعالیٰ نے خاص نصرت فرمائی اور ابوطالب کو آپ کی حمایت میں کھڑا کر دیا۔ ابوطالب بنو ہاشم کے سردار تھے۔ ان کے ساتھ پوری جمعیت تھی اور قریش کے سبھی قبائل میں ان کی شخصیت کا احترام پایا جاتا تھا اس وجہ سے گو کہ آپ کی اور آپ کی دعوت کی ہر طرف سے مخالفت ہو رہی تھی لیکن کسی کو آپ کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کی حمایت سے فائدہ اٹھایا اور کسی مخالفت کی پروا کیے بغیر خدا کے دین کو کھلم کھلا پیش کرنے اور اس کی دعوت دینے میں لگ گئے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے:۔

وحدب علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عمّہ أبوطالب، ومنعہ وقام دونہ ۔ ومضی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی أمر اللّٰہ، مظهراً لأمرہ لا یردّہ عنہ شیئ[۲]	(اس موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے چچا ابوطالب مہربان ہو گئے اور آپ کی حفاظت کی اور آپ کی تائید میں کھڑے ہو گئے (اس کے نتیجہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے (تبلیغِ دین) کے حکم کو اظہار و اعلان کے ساتھ جاری رکھا۔ کوئی چیز آپ کو اس سے روکتی نہیں تھی۔

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

فلما دعا قومہ إلی دین اللّٰہ نابذوہ فأجارہ عمّہ	جب آپ نے اپنی قوم کو اللہ کے دین کی دعوت دی تو وہ دشمنی پر اتر

---

[۱] زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ: ۲۶۲/۱م
[۲] سیرۃ ابن ہشام: ۳۰۱/۱

ابوطالب ومنع منه قریشاً لأنهم أرادوا قتله لما دعاهم الیه من ترك ما كانوا علیه هم و آباؤهم ومفارقته لهم فی دینه وتسفیه أحلامهم فی عبادة أصنام لا تبصر ولا تسمع ولا تضرّ ولا تنفع [1]

آئے اور آپ سے الگ ہو گئے۔ اس وقت آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کو پناہ دی اور قریش کو آپ پر دست درازی سے روک دیا۔ کیونکہ وہ آپ کو قتل کر دینا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ آپ ان کو اس بات کی دعوت دے رہے تھے کہ وہ اور ان کے باپ دادا جس طریقہ پر ہیں اسے ترک کر دیں اور آپ نے اپنے دین کے معاملہ میں ان سے علٰحدگی اختیار کر لی تھی اور انھیں بے وقوف اور نادان بتا رہے تھے کہ وہ بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ دیکھتے اور سنتے ہیں۔ جو نہ نقصان پہونچاتے اور نہ نفع پہنچاتے ہیں۔

جیسے جیسے دن گزرتے گئے آپ کی تبلیغی مساعی میں روز بہ روز اضافہ ہونے لگا، شرک، اس کے فلسفے اور مشرکین کے طرزِ حیات پر آپ کی تنقید میں شدت آتی چلی گئی اور مشرکین کو صاف محسوس ہونے لگا کہ اپنے عقائد ونظریات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نرم رویّہ یا مصالحت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے سردار ابوطالب کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کا یہ بھتیجا ہمارے معبودوں پر تنقید کرتا ہے ہمارے دین میں نقص نکالتا ہے ہمیں ناسمجھ اور بے وقوف بناتا ہے، ہمارے باپ دادا کو گمراہ قرار دیتا ہے، اب آپ اس کو ان حرکتوں سے باز رکھیے یا ہمارے اور اس کے معاملے میں دخل نہ دیجئے ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ ہمارا مطالبہ ناروا نہیں ہے۔ آپ کا دین بھی وہی ہے جو ہمارا دین ہے اور آپ بھی ہماری طرح اس کے طریقے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ حضرت ابوطالب نے ان کے غصّے کو ٹھنڈا کیا

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (مقدمہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/۱۴۱ دار الکتب العلمیہ لبنان ۱۹۹۵ء

اور سمجھا بجھا کر انھیں واپس کیا۔ اس واقعہ کو بیان کرکے ابن اسحاق کہتے ہیں :۔

ومضى رسول الله صلى الله عليه وسلم على ما هو عليه، يظهر دين الله، و يدعو اليه، ثم شرى الأمر بينه وبينهم حتى تباعد الرجال وتضاغنوا وأكثرت قريش ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم بينها فتذامروا فيه وحض بعضهم بعضا عليه[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کام جاری رکھا، اللہ کے دین کو واضح کرتے اور اس کی طرف دعوت دیتے رہے۔ پھر آپ کے اور مخالفین کا معاملہ سخت ہوگیا۔ یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے سے دور ہوگئے اور دشمنی ظاہر ہونے لگی۔ قریش نے کثرت سے آپ کا تذکرہ شروع کردیا۔ آپ کی مخالفت اور دشمنی پر ایک دوسرے کو ورغلانے لگے۔

اس کے بعد سردارانِ قریش دوبارہ ابوطالب کے پاس پہنچے کہ آپ ہمارے بزرگ ہیں، ہم سب کے درمیان آپ کو قدر و منزلت کا مقام حاصل ہے۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے برادرزادہ کو اپنی تبلیغ سے باز رکھیں لیکن آپ نے انھیں باز نہیں رکھا۔ خدا کی قسم ہم اس بات کو برداشت نہیں کرسکتے کہ ہمارے باپ دادا کو ہدف ملامت بنایا جائے، ہمیں بے وقوف ٹھہرایا جائے اور ہمارے معبودوں پر نکتہ چینی کی جائے۔ اب آپ انھیں ان باتوں سے روک دیں یا ہمارے اور آپ کے درمیان تلوار سے فیصلہ ہوجائے۔ اس دھمکی کا ابوطالب پر اثر ہوا اور وہ عجیب مخمصے میں پڑ گئے۔ ان کے لیے یہ بھی مشکل تھا کہ اپنی قوم کو چھوڑ دیں اور اس سے دشمنی مول لیں اور اس کے لیے بھی تیار نہ تھے کہ آپ کی حمایت سے دست کش ہو جائیں اور آپ کو مخالفین کے حوالہ کردیں۔ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال کی نزاکت سمجھانی چاہی۔ چنانچہ ان لوگوں کے جانے کے بعد آپ کو بلا کر اس گفتگو کی پوری تفصیل

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۳۰۲۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۷۳۔ مطبع: دارالمعرفۃ بیروت، ۱۹۸۳ء

سنائی اور کہا، بیٹے تم مجھ پر بھی رحم کھاؤ اور اپنے اوپر بھی۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں نہ اٹھا سکوں۔

اس گفتگو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ابوطالب آپ کی نصرت و حمایت سے گھبرا رہے ہیں اور آپ کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ دنیوی لحاظ سے جو سب سے بڑا سہارا تھا وہ ٹوٹتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ آپ اس سے بالکل ہراساں نہیں ہوئے اور زبانِ مبارک سے عزم و ہمت کے وہ الفاظ نکلے جو اولوالعزم پیغمبروں ہی کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا چچا جان: خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں تب بھی اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یا اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کرے گا یا میں اسی کوشش میں ختم ہو جاؤں گا۔

یہ الفاظ ادا کر کے آپ آب دیدہ ہو گئے اور اٹھ کر جانے لگے تو ابوطالب نے آواز دی۔ بھتیجے ادھر آؤ۔ قریب آئے تو کہا تم جو کچھ تبلیغ کرنا چاہتے ہو کرو۔ خدا کی قسم میں تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔[۱]

اس واقعہ کے بعد قریش کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ ابوطالب اپنی قوم کو چھوڑ سکتے ہیں اور اس کی دشمنی گوارا کر سکتے ہیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت سے دست کش نہیں ہو سکتے اور آپ کو کسی کے حوالے نہیں کر سکتے۔ انھوں نے ابوطالب کو ایک اور رخ سے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ عمارہ بن ولید کو ان کی خدمت میں لے گئے اور کہا یہ قریش کا بہت ہی مضبوط اور خوبصورت نوجوان ہے۔ آپ اسے اپنی اولاد بنا لیجئے۔ یہ آپ کی نصرت و حمایت کرے گا اور کسی نے اسے ختم کر دیا تو آپ اس کی دیت کے مالک ہوں گے۔ اس کے عوض میں آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اسے ختم کر دیں، جس نے آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے دین کی مخالفت شروع کر رکھی ہے، آپ کی قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور باپ دادا کو ناسمجھ اور بے وقوف کہہ رہا ہے۔ یہ ہمارا آپ سے کوئی ناجائز مطالبہ نہیں ہے بلکہ ایک فرد کے عوض دوسرے

---

[۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۰۳۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/۴۷۵

فرد کو حوالہ کرنے کی درخواست ہے۔

حضرت ابوطالب نے یہ سن کر کہا خدا کی قسم یہ بہت بری پیش کش ہے۔ تم اپنی اولاد اس لیے میرے حوالے کرو گے کہ میں اسے پالوں پوسوں اور اس کی پرورش کروں اور میں اپنا بچہ اس لیے تمہارے حوالے کروں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس پر مطعم بن عدی نے کہا کہ تمہاری قوم نے انصاف کی بات کہی ہے اور جس مصیبت سے تم خود بھی پریشان ہو اس سے نجات پانے کی یہ ایک اچھی صورت ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی قوم کی کوئی بات ماننے کے لیے آمادہ نہیں ہو۔ ابوطالب نے جواب دیا یہ انصاف ہرگز نہیں ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ تم نے بھی میرا ساتھ نہ دینے اور اپنی قوم کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے لہٰذا جو تمہارا جی چاہے کرو[1]

اس پورے عرصے میں اسلام کی دعوت آہستہ آہستہ عام ہو رہی تھی اور بعض بڑی شخصیتیں اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو رہی تھیں۔ ان میں حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بہت نمایاں ہیں۔

حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی کے پاس تھے۔ ابوجہل کا اُدھر سے گزر ہوا تو وہ آپ کے ساتھ بدزبانی اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگا اور آپ کے اور اسلام کے بارے میں سخت ناگوار باتیں کہنی شروع کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل خاموش رہے اور اس کے منہ نہیں لگے۔

عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی یہ سب کچھ اپنے گھر سے دیکھ رہی تھی اس بدتمیزی کے بعد ابوجہل کعبہ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں جا کر بیٹھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس تشریف لے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد حضرت حمزہؓ جو تیر و کمان سے مسلح تھے شکار سے واپس ہوئے ـــــ ان کا معمول تھا کہ جب شکار سے لوٹتے تو سیدھے کعبۃ اللہ پہنچ کر طواف کرتے اور وہاں جو مجلسیں جمتی تھیں ان میں سے ہر مجلس

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۱/۳۰۴-۳۰۳۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ ۱/ ۴۷۵

میں پہنچ کر سلام کرتے اور تھوڑی دیر بات چیت کر کے گھر واپس ہوتے ۔۔۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے انھیں دیکھا تو کہا اے ابو عمارہ (حضرت حمزہؓ کا لقب) کاش آپ وہ منظر دیکھتے جو ابھی پیش آیا۔ ابوالحکم (ابوجہل کا خطاب) نے آپ کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کس قدر اذیت پہنچائی ہے۔ یہاں انھیں بیٹھے دیکھا تو بدزبانی شروع کردی اور ایسی باتیں کرنے لگا جو انھیں ناگوار تھیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ سن کر حضرت حمزہؓ طیش میں آگئے۔ اپنے معمول کے خلاف کسی مجلس میں نہیں گئے۔ سیدھے اس مجلس میں پہونچے جس میں ابوجہل موجود تھا اور کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ وہ زخمی ہوگیا، پھر کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو برا بھلا کہتے ہو، میں اس کے دین کو قبول کرتا ہوں اور جو باتیں وہ کہتا ہے وہی میں بھی کہتا ہوں، اگر ہوسکے تو میرا جواب دو۔ یہ دیکھ کر ابوجہل کے قبیلے (بنو مخزوم) کے لوگ اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو۔ ابوجہل نے ان سے کہا انھیں جانے دو اور میں نے واقعی ان کے بھتیجے کو بہت سخت سست اور برا بھلا کہا ہے[1]

یہ بھی روایات میں ہے کہ اس طرح جذباتی انداز میں اسلام لانے پر شیطان نے انھیں وسوسے میں ڈال دیا کہ تم قریش کے سردار ہو اور ایک بے دین کے پیچھے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ حضرت حمزہؓ سخت پیچ و تاب میں رہے اور رات اس بے چینی کے ساتھ گزاری کہ انھیں ایسی بے چینی کبھی نہیں رہی، دعا کی کہ اگر یہ حق ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دل کھول دے اور اگر غلط ہے تو اس سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔ صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ اپنی پریشانی اور الجھن کا ذکر کیا اور کہا مجھ جیسے آدمی کے لیے یہ صحیح نہ ہوگا کہ کسی ایسے معاملے میں جما رہوں جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ حق ہے یا نہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ آپ مجھے کچھ تفصیل بتائیں۔ آپ نے انھیں تذکیر اور نصیحت کی۔ خوف دلایا اور خوشخبری سنائی۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے آپ کے دل میں ایمان ڈال دیا۔ حضرت حمزہؓ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔ آپ اپنے دین کا اعلان کریں۔ قسم خدا کی

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۲۸-۳۲۹

آسمان کے نیچے جتنی چیزیں ہیں وہ سب مل جائیں تو بھی میں اپنے پہلے دین کو پسند نہیں کروں گا۔[1]

حضرت حمزہؓ قریش کے بہت ہی طاقتور اور مضبوط آدمی سمجھے جاتے تھے۔ کبھی کسی کے سامنے جھکتے نہیں تھے، انھوں نے بغیر کسی خوف کے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور کھل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں

فلما اسلم حمزة عرفت	جب حضرت حمزہؓ اسلام لے آئے
قریش ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ	تو قریش سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم قد عزّ وامتنع،	کو قوت حاصل ہوگئی ہے اور آپ محفوظ
وان حمزة سیمنعہ فکفّوا	ہوگئے ہیں اور حمزہؓ ان کی مدافعت کریں گے
عن بعض ما کانوا ینالون	چنانچہ بعض وہ حرکتیں جو وہ آپ کی شان
منہ[2]	میں کرتے تھے ان سے باز آگئے۔

اسلام لانے سے قبل حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑا سخت رویہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دلی خواہش تھی کہ ان جیسا مضبوط آدمی اسلام کو مل جائے۔ آپ نے دعا فرمائی تھی۔

اللّٰھم أعزّ الإسلام بأحبّ	اے اللہ! ان دو آدمیوں میں سے
ھذین الرجلین الیک بعمر	جو تجھے زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعہ
بن الخطاب أو بأبی جھل	اسلام کو تقویت دے۔ عمر بن خطاب
بن ھشام[3]	یا ابوجہل بن ہشام۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی:۔

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ : ۱/ ۴۴۶۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ : ۱/ ۲۷۸

[2] ابن ہشام : السیرۃ النبویۃ : ۱/ ۳۲۹

[3] ترمذی، ابواب المناقب، مناقب أبی حفص عمر بن الخطاب۔ مسند احمد : ۲/ ۹۵۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۶۹

اللهم أعزّ الإسلام بعمر[1] — اے اللہ! عمر کے ذریعہ اسلام کو تقویت دے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت عمرؓ کے حق میں دعا کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو چار امتیازات سے نوازا۔ ان میں سے ایک امتیاز یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دعا کی تھی۔

اللھم أیّد الإسلام بعمر[2] — اے اللہ! عمر کے ذریعہ اسلام کی تائید فرما۔

ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ابوجہل اور حضرت عمرؓ دونوں کے لیے اور بعد میں صرف حضرت عمرؓ کے حق میں دعا فرمائی ہو۔[3]

حضرت عمرؓ اسلام کے کتنے شدید مخالف تھے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔

ام عبداللہ بنت ابوحثمہ[4] کہتی ہیں کہ ہم حبشہ ہجرت کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ میرے شوہر عامر کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے بلکہ حالتِ شرک پر قائم تھے اور ہمارے ساتھ ان کی سختی بھی جاری تھی ہمارے گھر آئے اور مجھ سے کہنے لگے اے ام عبداللہ! کیا اب مکہ چھوڑ ہی دینے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں، خدا کی قسم اللہ کی زمین میں کہیں بھی نکل

---

[1] حاکم المستدرک : ۸۹/۳ ۔ دارالکتب العلمیہ۔ لبنان۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللھم أیّد الدین بعمر بن الخطاب ۔ حوالہ سابق۔

[2] مشکوٰۃ، کتاب المناقب ۔ باب مناقب عمر بحوالہ مسند احمد

[3] تفصیل کے لیے دیکھی جائے زرقانی علی المواہب اللدنیہ : ۲/۳-۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۳/۸۵-۸۶۔

[4] ان کا نام لیلیٰ تھا۔ قدیم الاسلام تھیں۔ حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی۔ کہا جاتا ہے کہ خواتین میں سب سے پہلے یہ مدینہ پہونچی تھیں۔ بعض حضرات نے ام سلمہ کا نام لیا تھا۔ ابن حجر۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۸/۳۰۳، دارالکتب العلمیہ۔ لبنان ۱۹۹۵ء

جائیں گے جب تک کہ کوئی بہتر صورت نہ پیدا ہو جائے۔ آپ لوگوں نے ہمیں اذیت پہنچائی ہے اور ہمیں مجبور و مقہور کر رکھا ہے۔ انھوں نے کہا اچھا اللہ تم لوگوں کے ساتھ ہو اور چلے گئے۔ اس وقت میں نے ان کے اندر ایسی رقت دیکھی جو پہلے نہیں دیکھی تھی۔ میرے خیال میں ہمارے مکہ چھوڑنے کے فیصلے سے وہ افسردہ اور دلگیر تھے۔ جب میرے شوہر واپس ہوئے تو میں نے کہا کاش آپ اس وقت عمر کی رقت اور غم کی کیفیت دیکھتے۔ انھوں نے کہا کیا تم یہ توقع کرتی ہو کہ وہ اسلام لے آئیں گے۔ میں نے کہا ہاں، اس پر انھوں نے کہا کہ وہ اس وقت تک اسلام نہیں لا سکتے جب تک کہ خطاب کا گدھا اسلام نہ لے آئے۔ اسلام کے خلاف حضرت عمرؓ کے سخت رویے کی وجہ سے انھیں مایوسی تھی[1]

حضرت عمرؓ کے اسلام کے سلسلے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔

حدیث کی بعض کتابوں میں خود ان کا بیان نقل ہوا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعرّض کرنے اور آپ کو تکلیف پہنچانے کے ارادے سے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ آپ مجھ سے پہلے مسجد حرام پہنچ چکے ہیں۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ سورہ حاقہ پڑھنے لگے۔ میں قرآن کے اسلوب اور بیان سے حیرت اور تعجب میں پڑ گیا۔ میں نے دل میں کہا کہ واقعی یہ شاعر ہیں جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔ ابھی یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ آپ نے یہ آیات پڑھیں :-

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝	بے شک یہ ایک معزز فرشتہ
وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا	کا (لایا ہوا) کلام ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول
مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ (الحاقۃ : ۴۰-۴۱)	نہیں ہے۔ لیکن کم ہی تم ایمان لاتے ہو۔

میں نے کہا یہ تو کاہن معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے تلاوت فرمائی۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا	یہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے۔ تم کم
مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن	ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ رب العالمین
رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا	کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اگر پیغمبر

---

[1] ابن ہشام : السیرۃ النبویۃ : ۱/۳۴۰

بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ o لَاَخَذْنَا	ہماری طرف کچھ (جھوٹی) باتیں گھڑ کر منسوب
مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ o ثُمَّ لَقَطَعْنَا	کر دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور پھر
مِنْهُ الْوَتِيْنَ o فَمَا مِنْكُمْ	ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے
مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ o	کوئی بھی اس سے بچانے والا نہ ہوتا۔

(الحاقۃ: ۴۲-۴۷)

اسی وقت اسلام میرے دل میں اتر گیا۔[1]

حضرت عمر کو جس واقعہ نے سب سے زیادہ متاثر کیا اور جس کے نتیجہ میں ان کو اسلام کی دولت ملی۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنتِ خطاب اور ان کے بہنوئی سعید بن زید، حضرت عمرؓ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ لیکن حضرت عمر کی سختی کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔[2] ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر تلوار لیے ہوئے نکلے کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دیں گے۔ راستے میں انہی کے خاندان کے ایک فرد نُعیم بن عبداللہ النحام نے پوچھا عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا کہ میں اس بے دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہوں جس نے قریش کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اسے بے وقوف بتا رہا ہے، اس کے دین میں عیب نکال رہا ہے، اس کے معبودوں کو ہدفِ تنقید بنا رہا ہے۔ نعیم نے کہا۔ تم دھوکے میں ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے بعد بنو عبد مناف تمہیں زمین پر چلنے کے لیے زندہ چھوڑ دیں گے۔ حضرت عمر نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بھی صابی ہو گئے ہو اور اپنا دین چھوڑ چکے ہو۔ اگر مجھے اس کا یقین ہوتا تو میں پہلے تمہیں تہ تیغ کرتا۔ نعیم نے کہا

---

[1] ابن اثیر، اسد الغابۃ: ۴/۱۳۹، ذہبی، تاریخ الاسلام (السیرۃ النبویہ: ۱/۱۷۳)

[2] لیکن بخاری میں خود سعید بن زید کا بیان ہے۔ لو رأیتنی موثقی عمر علی الاسلام انا واختہ، وما اسلم۔ کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر بن الخطاب۔ (اگر تو نے وہ وقت دیکھا ہوتا جب کہ عمر مجھے اور اپنی بہن کو ہمارے اسلام لانے کی وجہ سے باندھ دیا کرتے تھے، اس وقت تک وہ اسلام نہیں لائے تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام لانے کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی اپنی بہن اور بہنوئی پر سختی شروع ہو چکی تھی۔

پہلے اپنے گھر کے حالات کیوں نہیں ٹھیک کرتے؟ حضرت عمر نے کہا کہ کیا میرے گھر کا کوئی آدمی مسلمان ہوگیا ہے۔ انھوں نے جواب۔ ہاں۔ خدا کی قسم تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید اسلام لاچکے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرلی ہے۔ جاؤ پہلے ان کی خبر لو۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے غصہ سے اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر کا رخ کیا۔ وہ دونوں اپنے گھر میں حضرت خبابؓ سے سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔[1]

جب ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کی آہٹ محسوس کی تو حضرت خبابؓ گھر کے گوشے میں چھپ گئے۔ حضرت فاطمہ بنت خطابؓ نے صحیفہ کو اپنی گود میں چھپالیا۔ حضرت عمرؓ جب گھر کے قریب پہنچے تو انھوں نے حضرت خبابؓ کے قرآن پڑھنے کی آواز سن لی تھی۔ پوچھا یہ کیا گنگناہٹ تھی جو میں نے سنی ہے۔ انھوں نے جواب دیا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ حضرت عمر نے کہا مجھے معلوم ہوا کہ تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کرلیا ہے اور ان کی پیروی شروع کردی ہے۔ یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعید بن زید کی طرف بڑھے اور انھیں بری طرح زدوکوب کرنے لگے۔ حضرت فاطمہ اپنے شوہر کو بچانے کے لیے لپکیں تو انھیں اس زور سے مارا کہ ان کا چہرہ لہولہان ہوگیا۔ اس پر دونوں نے کہا۔ ہاں ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب آپ کا جو دل چاہے کیجئے۔ بہن نے غصہ سے کہا ایک روایت کے مطابق بہنوئی نے کہا کہ اگر حق آپ کے دین کے علاوہ کہیں اور ہے تو اس کا ساتھ دینا ہی چاہیے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ (میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)

جب حضرت عمرؓ نے بہن کو خون آلود دیکھا تو ندامت محسوس کی۔ انھیں اندازہ ہوا کہ یہ لوگ پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ انھوں نے بہن سے کہا جو صحیفہ تم پڑھ رہی تھیں لاؤ دیکھوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا دین پیش کر رہے ہیں؟ — حضرت عمرؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

---

[1] مکہ میں جو صحابہ غریب اور نادار ہوتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ان کے صحابہ کے حوالہ کردیتے جو صاحب حیثیت ہوتے وہ انھیں کھانے میں اپنے ساتھ شریک رکھتے حضرت سعید کے ذمہ میں بھی ایسے دو افراد تھے۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ: ۴/۱۴۰

بہن نے کہا کہ ڈر ہے کہیں اس کی بے ادبی نہ ہو اور اسے آپ تلف نہ کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے قسم کھائی کہ پڑھنے کے بعد وہ اسے واپس کر دیں گے۔ بہن نے کہا کہ آپ شرک کی وجہ سے ناپاک ہیں اور اس کتاب کو پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ حضرت عمر اٹھے اور غسل (یا وضو) کیا۔ بہن نے صحیفہ دیا جس میں سورہ طٰہٰ تھی۔ اس کا ابتدائی حصہ پڑھتے ہی بول اٹھے کہ کتنا خوبصورت اور معزز کلام ہے۔ جب اس آیت پر پہنچے:-

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ	میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تو
اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ	میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے
لِذِکۡرِیۡ ۝ [1] (طٰہٰ : ۱۴)	نماز قائم کر۔

تو ایمان دل میں اتر گیا۔ کہا کہ مجھے بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ یہ سنتے ہی حضرت خبّاب جو گھر میں روپوش تھے باہر نکلے اور کہا، اے عمر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل ہی دعا کی تھی کہ اے اللہ! عمر یا ابوجہل کے ذریعہ اسلام کی مدد فرما۔ تمہارے لیے خوشخبری ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ سے پوچھا بتاؤ کہ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں تاکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آؤں۔ حضرت خبابؓ نے کہا کہ آپ صفا کے پاس فلاں مکان میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی تلوار حمائل کی اور مکان پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب حضرت عمر کی آواز سنی تو ایک شخص نے دروازہ کی جھریوں سے دیکھا تو گھبرا کر اطلاع دی کہ عمر تلوار لیے کھڑے ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے کہا انھیں آنے کی اجازت دی جائے اگر اللہ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے تو وہ اسلام لے آئیں گے

---

[1] ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحیفہ سے سورہ حدید کی تلاوت کی تھی۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ: ۴/۱۴۷۔ یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے کہ سورہ حدید مدنی ہے اور یہ واقعہ مکہ کا ہے۔ ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ خلوت سے حرم میں رسول خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں قرآن پڑھتے سنا اور اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہیں اسلام لے آئے اور اس کا اعلان کر دیا۔ ابن ہشام ۱/۳۸۵-۳۸۴۔ ذہبی، السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۷۳۔ یوں محسوس ہوتا ہے جس طرح ایک موقع پر سورہ حاقہ کی آیات سے متاثر ہوئے اسی طرح دوسری سورتوں نے بھی ان کے دل و دماغ پر اثر ڈالا۔ بالآخر بہن اور بہنوئی کے واقعہ اور سورہ طٰہٰ کی تلاوت نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی نہیں ہے اور وہ کسی غلط ارادے سے آئے ہیں تو انہی کی تلوار سے ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھیں آنے دو۔ ایک شخص نے جا کر اجازت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمرہ میں ان سے ملاقات کی۔ ان کی چادر اور تلوار کی میان پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچا اور کہا ابن خطاب! کس لیے آئے ہو، تم اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ولید بن مغیرہ کی طرح تم پر بھی اپنا قہر نہ نازل کر دے۔

حضرت عمرؓ نے کہا میں تو اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤں اور اللہ کی طرف سے وہ دین جو وہ پیش فرما رہے ہیں اس کی اتباع کروں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر بلند کی جس سے سب لوگ سمجھ گئے کہ حضرت عمرؓ اسلام لے آئے ہیں [۱]

حضرت عمرؓ کا شمار قریش کے شرفا میں ہوتا تھا اور اس وقت کے قبائلی نظام میں انھیں سفیر کی حیثیت حاصل تھی۔ قریش کے دو خاندانوں میں یا قریش اور غیر قریش کے ذریعہ کوئی نزاع یا جھگڑا کھڑا ہو جاتا تو ان کے درمیان وہ سفارت کی خدمت انجام دیتے اور فخر و مباہات کا مقابلہ ہوتا تو ان کے نمائندے ہوتے [۲]

حضرت عمرؓ بڑے طاقت ور اور دبدبے والے انسان تھے۔ قریش جس طرح اسلام لانے والوں کو اذیتیں پہنچا رہے تھے اس طرح حضرت عمرؓ پر ہاتھ اٹھانے کی آسانی سے ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ نے اسے پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ کھل کر اس کا اعلان کیا، جس کسی نے مخالفت کی اس کا منہ توڑ جواب دیا۔ اسلام لاتے ہی انھوں نے سوچا کہ کون شخص ایسا ہے کہ اس سے میں اپنے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ کروں تو مکہ میں وہ ہر طرف اس کا چرچا کر دے۔ کہا گیا جمیل بن معمر الجمحی یہ کام کر سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ دیکھنے کے لیے کہ آپ کیا کر رہے ہیں آپ کے پیچھے پیچھے

۱؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۴۲-۳۴۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۶۹-۲۲۹

۲؎ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۲/۲۳۵۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ: ۴/۱۴۸

چلا۔ اس وقت میری عمر اتنی تھی کہ جو واقعات پیش آئے انھیں سمجھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ جُمَیل کے پاس پہونچے اور کہا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہو چکا ہوں؟ جُمَیل نے یہ سنتے ہی بغیر کچھ جواب دیے اپنے کپڑے سمیٹے اور سیدھے کعبہ کی طرف چلا۔ حضرت عمرؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ جُمَیل کعبہ کے دروازہ پر پہنچا۔ اس وقت لوگ حرمِ کعبہ کے اندر اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے بات چیت کر رہے تھے۔ وہ چلایا لوگو! عمر بے دین ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فوراً جواب دیا۔ جھوٹا ہے، میں نے اسلام قبول کیا ہے اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ مجمع بھی بھر گیا اور اس کے بعد لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے بھی اس کا تابڑ توڑ جواب دیا۔ یہاں تک کہ آپ تھک کر چور ہو گئے اور بیٹھ گئے۔ لوگ آپ کے سر پر کھڑے رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا جو کچھ تم سے ہو سکے کر گزرو، اے دشمنانِ خدا اگر ہم تین سو ہوتے تو تمھیں یہاں سے نکال باہر کرتے۔ اتنے میں ایک بزرگ شخص عمدہ لباس میں پہنچا۔ اس نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ عمر بے دین ہو گیا ہے۔ اس نے کہا۔ اس نے اپنے لیے ایک بات پسند کی اور اسے اختیار کر لیا ہے۔ آخر تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ بنو عدی اس طرح عمر کو تمہارے حوالہ کر دیں گے۔ ہٹو! اسے جانے دو۔ اس کے بعد مجمع منتشر ہو گیا۔ ہجرت کے بعد میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ جس شخص نے اس وقت آپ کی حمایت کی تھی وہ کون تھا؟ تو آپ نے فرمایا وہ عاص بن وائل سہمی تھا[1]

---

[1] یہ واقعہ بخاری میں مختصراً آیا ہے۔ ایک روایت سے یہ خیال ہوتا ہے کہ عاص بن وائل کی حمایت کسی دوسرے وقت کی تھی۔ عاص بن وائل سہمی کی حمایت کی وجہ یہ تھی کہ بنو سہم حضرت عمرؓ کے قبیلہ بنو عدی کے حلیف تھے۔ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر بن الخطاب۔ پورے واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۳۸۷/۱۔ ذہبی تاریخ الاسلام (السیرۃ النبویۃ): ۱۸۹/۱ دارالکتاب العربی۔ بیروت ۱۹۹۴ء۔ نیز ملاحظہ ہو حاکم، المستدرک: ۹۱/۳۔

حضرت عمرؓ نے کس سنہ میں اسلام قبول کیا، اس میں اختلاف ہے۔ اتنی بات یقینی ہے کہ = -

خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس روز میں اسلام لایا اس رات میں نے سوچا

= آپ کے اسلام لانے سے قبل ہجرتِ حبشہ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا ۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ بعثت کے چھٹے سال مشرف باسلام ہوئے (طبقات : ۲۷۰/۳) عام طور پر اصحابِ سیرت کا اس پر اتفاق سا ہے ۔ بعض حضرات نے سن پانچ کا واقعہ بتایا ہے ۔ (زرقانی علی المواہب : ۲/۲) ابن سعد کے بیان کے مطابق اس وقت حضرت عمرؓ ۲۶ سال کے تھے ۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ وہ خود اس وقت چھ سال کے تھے ۔ (طبقات : ۲۶۹/۳ ۔ ۲۷۰) حافظ ابن کثیر اوپر کا واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تاخیر سے اسلام قبول کیا ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ غزوہ احد میں ، جو ۳ھ میں ہوا چودہ سال کے تھے ۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے وقت ان کی عمر اتنی تھی کہ وہ واقعات کو سمجھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہو گئے تھے (چھ سال اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت سے چار سال قبل یا بعثت کے تقریباً نو سال بعد حضرت عمرؓ اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے ۔ (السیرۃ النبویۃ : ۳۹/۲ ۔ ۳۸) حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق یہ بعثت کے چھٹے یا ساتویں سال کا واقعہ ہے ۔ اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے وقت میں لڑکا تھا ۔ ایک روایت میں ہے کہ میں پانچ سال کا تھا ۔ ابن عمرؓ احد میں چودہ سال کے تھے اور احد بعثت کے سولہویں سال میں ہوئی ۔ اس طرح یہ بات طے ہے کہ ان کی پیدائش بعثت کے دو سال بعد ہوئی ۔ اس لحاظ سے حضرت عمرؓ بعثت کے چھ یا سات سال بعد مشرف باسلام ہوئے ۔

حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے پہلے چالیس مرد اور دس خواتین اسلام لاچکی تھیں ۔ (فتح الباری : ۵۷/۷) حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی مکہ میں اسلام نمایاں ہو کر سامنے آگیا (ابن سعد، طبقات : ۲۶۹/۳) بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ کے اسلام لانے کے بعد چالیس کی تعداد پوری ہوئی ۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ آپ کے اسلام لانے سے قبل انتالیس ۳۹ مرد اور تیئس ۲۳ عورتیں اسلام لاچکی تھیں ۔ کم و بیش یہی تعداد بیشتر مورخین نے بیان کی ہے (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ : ۶۰۱/۱ ۔ ۶۰۲ ۔ ابن سعد، طبقات : ۲۶۹/۳ ۔ ابن اثیر ، اسد الغابہ : ۱۳۸/۴ ۔ ۱۳۹) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حبشہ ہجرت کرنے والوں کی تعداد ہی اسّی سے زیادہ تھی ۔ البتہ اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ جو لوگ حبشہ ہجرت کرنے سے رہ گئے تھے وہ چالیس کے قریب تھے ۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے ان کی تعداد چالیس ہو گئی ۔ (السیرۃ النبویۃ : ۳۳/۲)

کہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سب سے بڑا دشمن ہو اسے اپنے اسلام لانے کی اطلاع دینی چاہیے۔ مجھے خیال آیا کہ ابوجہل سے بڑا دشمن کون ہوگا۔ چنانچہ سویرے اس کے گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوجہل باہر نکلا اور دیکھتے ہی کہا۔ بھانجے خوش آمدید کیسے اس وقت آنا ہوا؟[1] میں نے جواب دیا صرف یہ اطلاع دینے حاضر ہوا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں اور ان کی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہوں۔ ابوجہل نے غصّہ سے دروازہ بند کرلیا اور کہا برا ہو تمہارا اور تمہاری اس اطلاع کا۔[2]

حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کی وجہ سے صحابہ کرام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی. ایک طرح سے ان کو قریش کے مقابلہ میں پناہ مل گئی اور ان کا حوصلہ بڑھ گیا۔[3]

علامہ ابن جریر طبری نے ان دونوں کے اسلام لانے کے اثرات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

وکان (عمر) رجلا جلدًا جلیدًا	حضرت عمرؓ مضبوط اور قوی آدمی
منیعًا، وکان قد اسلم قبل	تھے ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا تھا
ذالك حمزة بن عبد المطلب،	ان سے پہلے حمزہ بن عبد المطلب اسلام
ووجد أصحاب رسول الله	لا چکے تھے۔ ان کی وجہ سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی أنفسهم قوةً	صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اپنے
وجعل الاسلام یفشو فی	اندر قوت محسوس کی اور اسلام قبائل میں
القبائل[4]	پھیلنے لگا۔

---

[1] ابن ہشام اور بعض دوسرے اصحاب نے ابوجہل کو حضرت عمرؓ کا حقیقی ماموں کہا ہے لیکن علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر کی ماں حنتمہ بنت ہاشم اس کی چچا زاد بہن تھیں۔ الاستیعاب: ۳/ ۲۳۵؛ اسد الغابہ: ۴/ ۱۴۶

[2] ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۳۸۷۔ حضرت عمرؓ نے قریش کے ایک اور سردار کے گھر پہونچ کر بھی اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اس نے بھی وہی رویہ اختیار کیا جو ابوجہل نے کیا۔ اس کے بعد ام جمیل کا واقعہ پیش آیا۔ ذہبی، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۱۷۸؛ ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ: ۴/ ۱۲۱

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: / ۲۷۹ - ۲۸۰

[4] طبری، تاریخ الامم والملوک: ۱/ ۵۴۹

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

ما زلنا أعزّةً منذ أسلم عمر[1]	حضرت عمرؓ جب اسلام لائے اس وقت سے ہم مضبوط اور قوی رہے۔

ابن ابی شیبہ اور طبرانی کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔

کان إسلام عمر عزًّا وهجرته نصرًا وإمارته رحمةً، والله ما استطعنا ان نصلّي حول البيت ظاهرين حتىٰ أسلم عمر[2]	حضرت عمرؓ کا اسلام لانا عزت و تقویت کا سبب بنا، ان کی ہجرت نصرت کا اور ان کا دور امارت رحمت کا ذریعہ ثابت ہوا۔ قسم خدا کی حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہم نکل کر بیت اللہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ ایک وقت وہ بھی تھا کہ ہم خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو انھوں نے مشرکین کا مقابلہ کیا۔ بالآخر انھوں نے اس کی اجازت دے دی، حضرت عمرؓ نے خود بھی خانہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ہم نے بھی پڑھی۔[3]

حضرت صہیب بن سنان رومیؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو اسلام بالکل نمایاں ہوگیا اور علانیہ اس کی دعوت دی جانے لگی، ہم لوگ حلقے بنا کر خانہ کعبہ کے اطراف بیٹھنے لگے، طواف شروع کردیا، جو لوگ ہمارے ساتھ سختی کرتے ان سے انتقام لیتے اور ان کی بعض باتوں کا جواب بھی دیتے۔[4]

تاریخوں میں حضرت عمرؓ کے اعلان و اظہار اور دعوتی دوڑ دھوپ کے بارے

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر بن الخطاب۔

[2] ابن حجر، فتح الباری: ۷/۴۸۔ روایت کا آخری حصہ مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ ۳/۹۰

[3] ابن سعد، طبقات: ۳/۲۷۰۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۸۰۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۲/۳۲
ابن اثیر، اسد الغابہ: ۴/۱۴۴

[4] ابن سعد، طبقات: ۳/۲۶۹

میں لکھا ہے۔

واتبع عمر المجالس التی	حضرت عمرؓ ان مجلسوں میں پہونچے
کان یجلس فیھا فأظھر الایمان	جن میں وہ بیٹھا کرتے تھے اور بغیر کسی
غیر ھائب ولا خائف[1]	خوف اور اندیشہ کے اپنے ایمان کا اظہار کیا۔

جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کو حبشہ میں پناہ حاصل ہوگئی ہے، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسی شخصیتیں اسلام کو مل گئی ہیں، اسلام مختلف قبائل میں پھیل رہا ہے اور اس کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے تو انھوں نے ایک طرف مسلمانوں پر زیادہ سختی شروع کر دی اور وہ ان پر مزید ظلم و ستم ڈھانے لگے، دوسری طرف انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ قتل کر دیں گے۔ ابو طالب کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو جمع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گھاٹی (شعب ابی طالب) میں پہونچا دیں اور آپ کی حمایت میں کمر کس لیں[2] خاندان کے سب لوگ اس پر متفق ہوگئے۔ مسلمانوں نے اپنے دین و ایمان کی وجہ سے اور جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، انھوں نے خاندانی حمیّت کی بنا پر اس کا ساتھ دیا۔ صرف ابولہب اس سے الگ رہا۔ اس نے مشرکینِ قریش کی حمایت کی۔

روایات میں آتا ہے کہ اس زمانہ میں ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت حفاظت کرتے تھے۔ رات میں سونے کا وقت ہوتا تو آپ سے کہتے کہ آپ اپنے بستر پر آرام کریں، تاکہ دشمن یہ سمجھیں کہ آپ اپنے بستر پر ہیں۔ جب سب لوگ سو جاتے تو اپنے کسی لڑکے یا بھائی یا چچا کے لڑکوں میں سے کسی کو حکم دیتے کہ وہ آپ کے بستر پر لیٹ جائے اور آپ سے درخواست کرتے اس کے بستر پر سو جائیں۔

ابو طالب کی قیادت میں بنو ہاشم اس طرح آپ کی حمایت میں کھڑے ہوگئے تو قریش نے ایک سخت وار کیا۔ انھوں نے مشترکہ طور پر بنو ہاشم کے مقاطعہ کا فیصلہ کیا اور ایک تحریر لکھی کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب سے شادی بیاہ، لین دین، تجارت کا معاملہ نہیں

---

[1] دیار بکری، الخمیس فی احوال انفس نفیس: ۱/۲۳۵

[2] شعب ابی طالب مکہ کی آبادی سے باہر تھی۔ السیرۃ الحلبیۃ: ۲/۲۵

ہوگا۔ ان کی خوشی اور غم میں کوئی شریک نہ ہوگا اور نہ کسی کی مسرت اور غم میں انھیں شریک ہونے دیا جائے گا۔ ان سے کبھی صلح ہوگی اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کی نرمی روا رکھی جائے گی۔ اس معاہدے کی پابندی کا عہد و پیمان باندھا گیا اور اسے خانۂ کعبہ میں لٹکا دیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ پکا معاہدہ ہے[۱]

قریش کی طرف سے اس بائیکاٹ یا مقاطعہ کے نتیجہ میں بنو ہاشم کو سخت مشکلات سے گزرنا پڑا اور بڑی تکلیفیں انھوں نے اٹھائیں۔ قریش انھیں بازار تک پہونچنے نہیں دیتے تھے۔ اگر باہر سے غلہ فروخت کے لیے آتا تو جلدی سے خرید لیتے تاکہ بنو ہاشم خرید نہ سکیں۔ بھوک سے بچوں کے تڑپنے اور بلبلانے کی آواز وادی سے باہر تک سنی جاتی تھی۔ کوئی شخص کھل کر ان کی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ صلۂ رحمی کے جذبہ کے تحت کوئی ان کی مدد بھی کرتا تو بہت خاموشی سے اور پوشیدہ طور پر کرتا تھا[۲]

ابن جریر طبری فرماتے ہیں۔

فأقاموا على ذالك من	اس حال میں انھوں نے دو یا تین
أمرهم سنتين أو ثلاثًا حتّٰى	سال تک انھیں رکھا۔ یہاں تک انھوں
جهدوا ألا يصل إلى أحد	نے کوشش کی کہ ان میں سے کسی کے
منهم شيئ الّا سرًّا. مستخفيا	پاس کوئی چیز پہونچنے نہ پائے۔ سوائے
به من أراد صلتهم من	اس کے کہ جوان کے ساتھ صلۂ رحمی کرنا

---

[۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۸۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۰۹۔ طبری، تاریخ الامم والملوک: ۱/۵۴۹۔ اس معاہدہ کو منصور بن عکرمہ بن ہاشم یا النضر بن حارث نے تحریر کیا تھا۔ ابن ہشام اور ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کی وجہ سے اس کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ اس تحریر کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ ام الجلاس بنت مخربہ کے پاس تھی، جو ابوجہل کی خالہ تھی۔ ابن سعد: ۱/۲۰۹۔ اس کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ خانہ کعبہ میں آویزاں کرنے سے پہلے شاید یہ صحیفہ ابوجہل کی خالہ کے پاس تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی نقل اس کے پاس رہی ہو۔ السیرۃ الحلبیۃ: ۲/۵

[۲] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۲/۴۴-۴۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۰۹

شتّی ہے۔ | چاہتا خاموشی سے اور خفیہ طریقہ سے ان تک کچھ پہونچا دے۔

اسی زمانہ کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حکیم بن حزام بن خویلد اپنے غلام کے ساتھ جا رہے تھے۔ غلام گیہوں لیے ہوئے تھا تا کہ ان کی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے پاس پہونچائے۔ حضرت خدیجہؓ بھی شعبِ ابی طالب میں محصور تھیں۔ راستہ میں حکیم بن حزام کی ابوجہل سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ان سے الجھ گیا اور کہا کہ کیا تم بنو ہاشم کو غذا کا سامان پہونچا رہے ہو؟ قسم خدا کی تم یہیں رکے رہو میں مکہ میں تمہیں رسوا کر کے چھوڑوں گا۔ اتنے میں ابوالبختری آگیا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ ابوجہل نے جواب دیا کہ یہ بنو ہاشم کے ہاں غلہ پہونچا رہا ہے۔ ابوالبختری نے کہا کہ اس کی پھوپھی کا گیہوں اس کے پاس تھا، اسے وہ دینے جا رہا ہے۔ کیا تم اسے اس سے منع کرو گے؟ اس شخص کو جانے دو۔ ابوجہل نے انکار کر دیا۔ اس پر بات بڑھی تو ابوالبختری نے اسے خوب زدوکوب کیا اور اونٹ کی ایک ہڈی سے اسے مار کر زخمی کر دیا۔ حضرت حمزہؓ قریب ہی سے یہ دیکھ رہے تھے۔ قریش کو یہ بات ناگوار گزر رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو اس کا علم ہو اور وہ خوشی منائیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں:-

ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اس سب کے باوجود رسول اللہ
علی ذالک یدعو قومہ لیلاً	صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو شب و روز
ونہاراً وسرّاً وجہراً منادیاً بأمر	پوشیدہ اور علانیہ اللہ کے دین کی دعوت
اللہ لا یتقی فیہ احداً من الناس[۲]	اور اس کے احکام کو کھول کر بیان کرتے
	تھے اس معاملے میں کسی بھی شخص سے خوف نہیں کھاتے تھے۔

---

[۱] تاریخ الامم والملوک: ۱/۵۵۰۔ ابن ہشام کے الفاظ کسی قدر مختلف ہیں مفہوم ایک ہے۔ السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۹۱
ابن سعد کہتے ہیں کہ بعثت کے ساتویں سال محرم میں یہ لوگ شعب ابی طالب میں پہونچے اور تین سال رہے طبقات ۱/۲۰۹۔ ایک روایت دو سال کی بھی نقل کی ہے ص۲۱۰۔ غالباً تیسرا سال پورا نہیں ہوا تھا۔ اس لیے کسی نے دو سال اور کسی نے تین سال کہا ہے۔

[۲] السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۹۲۔ طبری کے الفاظ اور واضح ہیں۔ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی کل =

ہشام بن عمرو بن الحارث العمری نے اس دور میں بڑی مدد کی۔ اس کا بنو ہاشم سے ننہالی رشتہ تھا اور اپنی قوم میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا اور شرف و منزلت کا مقام رکھتا تھا۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ وہ رات میں اونٹ پر کھانے پینے کا سامان لاد کر شعب ابی طالب کی طرف لے جاتا اور نکیل سے آزاد کر کے اسے وادی کی طرف ہانک دیتا۔ اونٹ وہاں پہونچ جاتا اور یہ سامان محصور لوگوں کے کام آتا۔ پھر کسی موقع پر اسی طرح کپڑے پہونچا دیتا[۱]

جب اسی طرح دو سال گزر گئے اور تیسرا سال شروع ہو گیا تو قریش کے بعض افراد کو خاص طور پر ان لوگوں کو جن کا ننہالی رشتہ بنو ہاشم سے تھا یہ احساس ہوا کہ یہ فیصلہ غلط ہوا۔ اس سے خونی رشتے متاثر ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق تلف ہوئے ہیں اسے ختم ہو جانا چاہیے[۲]

اس معاہدہ کے ختم کرانے میں سب سے اہم رول اسی ہشام بن عمرو بن الحارث العمری نے انجام دیا۔ وہ زہیر بن ابی امیہ کے پاس گیا اور کہا زہیر! بتاؤ کیا تمہیں

= ذلك يدعو قومه سرًّا وجهرًا آناء الليل وأناء النهار والوحي عليه من الله متتابع بأمره ونهيه ووعيد من ناصبه من العداوة والحجج لرسول الله على من خالفه تاریخ الامم والملوك: ۱/۵۵۰ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات میں بھی اپنی قوم کو خفیہ اور علانیہ طور پر دن کے اوقات میں بھی اور رات کے اوقات میں بھی دعوت دے رہے تھے۔ اس دوران میں اللہ کی طرف سے آپ پر مسلسل وحی نازل ہو رہی تھی جس میں اس کے احکام و نواہی تھے، جو لوگ آپ سے عداوت کر رہے تھے ان کے لیے وعید تھی اور آپ کے مخالفین کے جواب میں دلائل تھے۔

[۱] ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ: ۱/۴۱۲۔ ابن کثیر: السیرۃ النبویۃ: ۲/۴۷

[۲] حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ فلما كان رأس ثلاث سنين تلاوم رجال من بني عبد مناف ومن قصي ورجال من سواهم من قريش قد ولدتهم نساء من بني هاشم ورأوا أنهم قد قطعوا الرحم واستخفوا بالحق۔ السیرۃ النبویۃ: ۲/۴۴۔ نیز ملاحظہ ہو ص ۴۶۔ ذہبی، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۲۲۔ یعنی تیسرے سال کے شروع میں بنو عبد مناف اور قصی بن کعب کے بعض افراد اور ان کے علاوہ قریش کے کچھ لوگ، جن کی مائیں بنو ہاشم کی تھیں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ان سے قطع رحم اور حق تلفی کا ارتکاب ہوا ہے۔

یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم کھاؤ، پیو، تمہارے ہاں شادی بیاہ بھی ہو اور تمہارے سب ماموں اس حال میں پڑے رہیں جس سے تم واقف ہو کہ ان کے ساتھ نہ خرید و فروخت ہو رہی ہے اور نہ ان سے شادی بیاہ کا معاملہ ہو رہا ہے ؟ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ابوالحکم (ابوجہل) کے ماموؤں کا معاملہ ہوتا اور اسے اس طرح کے مقاطعہ کے لیے کہا جاتا تو وہ کبھی اس کے لیے آمادہ نہ ہوتا۔ زہیر نے کہا بتاؤ میں تنہا اس میں کیا کر سکتا ہوں! اگر میرے ساتھ کوئی اور ہوتا تو میں کھڑا ہوتا اور اسے چاک کر کے رکھ دیتا۔ ہشام نے کہا۔ ایک اور شخص تمہارے ساتھ ہے۔ اس نے دریافت کیا۔ وہ کون؟ زہیر نے کہا میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔ اس نے کہا اچھا تو ایک تیسرے کو تلاش کر لو۔

اس کے بعد وہ مطعم بن عدی کے پاس گیا اور کہا کہ کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ بنو عبد مناف کی دو شاخیں ختم ہو جائیں اور تم اسے دیکھتے اور قریش کی موافقت کرتے رہو۔ قسم خدا کی! اگر انھیں موقع دو گے تو وہ انھیں ختم کر کے رکھ دیں گے۔ معطم نے کہا۔ بھلا ہو تمہارا بتاؤ تنہا میں کیا کروں؟ اس نے کہا تمہارے ساتھ دوسرا بھی ہے۔ مطعم نے دریافت کیا وہ کون؟ ہشام نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس نے کہا کہ ایک تیسرا شخص بھی تلاش کر لو۔ اس نے جواب دیا یہ کام کر چکا ہوں۔ اس نے پوچھا وہ کون ہے۔ کہا زہیر بن ابوامیہ۔ اس نے کہا اچھا چوتھے شخص کو تلاش کرو۔

اب ہشام، بختری بن ہشام کے پاس پہونچا اور مطعم بن عدی سے جو بات کی تھی وہی اس سے بھی کی۔ اس نے پوچھا کہ اس معاملہ میں تمہاری مدد کے لیے کوئی تیار بھی ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں! اس نے پوچھا وہ کون ہے؟ اس نے بتایا زہیر بن ابوامیہ۔ مطعم بن عدی اور میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔ اس نے کہا اچھا تو پانچویں فرد کو تلاش کرو۔

اس کے بعد اس نے زمعہ بن اسود سے بات کی۔ بنو ہاشم کی قرابت اور ان کے حق کا ذکر کیا۔ اس نے بھی پہلے ہی سوال کیا کہ جس کام کے لیے تم مجھ سے کہہ رہے ہو کیا اس میں کوئی ساتھ دے گا؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر ان سب کے نام بتائے جن سے وہ گفتگو کر چکا تھا۔

یہ لوگ باہم مشورہ سے رات میں مکہ کے بالائی مقام حجون میں جمع ہوئے اور طے کیا

کہ اس صحیفہ کے مسئلہ کو چھیڑیں گے اور اسے ختم کریں گے۔ زہیر نے کہا کہ سب سے پہلے میں بولوں گا۔ صبح ہوئی تو یہ لوگ حرم میں جہاں قریش کی مجلسیں جمتی تھیں پہونچے۔ زہیر نے صاف ستھرے لباس میں طواف کیا، اس سے فارغ ہو کر لوگوں سے خطاب کیا۔ اے اہل مکہ! کیا ہم کھائیں پئیں، پہنیں اوڑھیں اور بنو ہاشم ہلاک ہوں کہ انھیں خرید و فروخت کی بھی اجازت نہیں ہے۔ قسم خدا کی میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ یہ ظالم اور رشتوں کو قطع کرنے والا صحیفہ چاک نہ کر دیا جائے۔

ابو جہل کعبہ کے ایک گوشہ میں تھا، اس نے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ صحیفہ چاک نہیں ہوگا۔ زمعہ بن اسود نے کہا کہ سب سے بڑے جھوٹے تو تم ہو جب یہ لکھا گیا اس وقت بھی ہم اس سے خوش نہیں تھے۔ ابو البختری نے زمعہ کی تائید کی کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں ہم بھی اس سے خوش نہیں ہیں اور اسے تسلیم نہیں کرتے۔ مطعم بن عدی نے آواز بلند کی کہ تم دونوں صحیح کہہ رہے ہو اور جو اس کے خلاف بولتا ہے غلط بولتا ہے۔ میں اس صحیفہ سے اور اس کے مضمون سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ ہشام بن عمرو نے اس کی تائید کی۔

ابو جہل نے چاروں طرف سے ایک ہی طرح کی بات سن کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فیصلہ رات میں کسی جگہ آپس میں مشورہ کے بعد ہو چکا تھا۔

ابو طالب مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ مطعم اس صحیفہ کو پھاڑنے کے لیے آگے بڑھا تو دیکھا کہ دیمک اسے کھا چکی ہے۔ سوائے 'بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ' کے الفاظ کے۔[1]

ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے کہا کہ اللہ کے حکم سے اس صحیفہ کو دیمک لگ گئی ہے۔ اس میں جہاں کہیں اللہ کا نام تھا وہ تو باقی رہ گیا ہے اور ظلم و زیادتی، قطعِ رحم اور جھوٹ اور بہتان کے جو الفاظ

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۲ا۳-۴ا۳۔ ابن سعد نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے کہ صحیفہ کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ صرف 'باسمک اللہم' کے الفاظ باقی رہ گئے تھے۔ طبقات: ۱/۲۰۹-۲۱۰

تھے وہ سب مٹ گئے ہیں۔ ابو طالب نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کی خبر دی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! اس کے بعد ابو طالب قریش کے پاس گئے اور کہا کہ میرے بھتیجے نے صحیفہ کے بارے میں یہ کچھ بتایا ہے۔ لاؤ دیکھیں۔ اگر اس کی بات صحیح نکلے تو اس قطع رحم سے باز آجاؤ اور صحیفہ کو ختم کرو۔ اگر اس کی بات غلط نکلے تو میں اسے تمہارے حوالہ کردوں گا۔ جب صحیفہ دیکھا گیا تو آپ کی بات صحیح نکلی لیکن قریش بائیکاٹ ختم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے بلکہ ان کی مخالفت اور شدید ہو گئی۔

اس کے بعد صحیفہ کو ختم کرنے کے سلسلہ میں وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے[1]۔ اس واقعہ کی اور تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ ان میں بعض باتوں میں کسی قدر اختلاف ہے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ جب صحیفہ کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح نکلی تو قریش کے ہوش اڑ گئے اور وہ سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ اس پر ابو طالب نے کہا کہ جب حقیقت واضح ہو گئی ہے تو آخر اس قید و بند کا کیا جواز ہے؟ پھر ابو طالب اور آپ کے ساتھیوں نے کعبہ اور غلافِ کعبہ کے درمیان پہونچ کر دعا کی "اے اللہ! جو لوگ ہم پر ظلم و زیادتی کر رہے ہیں، خونی رشتے ختم کر رہے ہیں اور وہ رویہ اختیار کر رہے ہیں جو ان کے لیے جائز نہیں ہے، ان کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما"۔ یہاں سے یہ لوگ پھر وادی میں چلے گئے۔

اس کے بعد قریش کے بعض لوگوں کو اس صورت حال پر افسوس ہوا اور وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ ان میں مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن اسود، ابوالبختری بن ہاشم اور زہیر بن ابوامیہ شامل تھے۔ یہ لوگ مسلح ہو کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس پہونچے اور کہا کہ آپ لوگ اپنے گھروں کو واپس چلیں۔

اس واقعہ سے قریش نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ بنو ہاشم کو ان کے حوالہ نہیں کریں گے[2]۔

اس صحیفہ یا تحریر کا جو حصہ باقی رہ گیا اور جو مٹ گیا اس کے متعلق ایک دوسری

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۱۵

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۱۰

بات بھی کہی گئی ہے۔ وہ یہ کہ اس میں جہاں کہیں اللہ کا نام تھا دیمک نے اسے محو کر دیا اور شرک، ظلم اور قطعِ رحم سے متعلق جو حصہ تھا اسے چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ آپ نے ابو طالب سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے ستاروں کی قسم کھا کر کہا کہ اس نے مجھ سے غلط نہیں کہا ہے۔ اب ابو طالب اپنے لوگوں کو لے کر قریش کی مجلس میں گئے۔ قریش نے سمجھا کہ یہ لوگ مقاطعہ اور اس سے درپیش مشکلات سے گھبرا گئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاید ان کے حوالہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ابو طالب نے ان سے کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان بہت سی باتیں ہوئی ہیں۔ میں ان کا ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ اپنا صحیفہ لاؤ۔ شاید ہمارے درمیان صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔ وہ لوگ بخوشی صحیفہ لے آئے اور ابو طالب سے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ آپ لوگ ہماری بات مان لیں اور ایسا رویہ اختیار کریں جس سے آپ کی قوم ایک ہو سکے۔ یہ ایک شخص ہے جس نے ہمارے آپس کے تعلقات قطع کرا دئے ہیں اور آپ کی پوری قوم کو ہلاکت اور تباہی تک پہونچا دیا ہے۔

ابو طالب نے کہا کہ میں بالکل انصاف کی بات تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے اور اس کی بات غلط نہیں ہوتی، کہ اللہ نے تمہارے اس صحیفہ سے برارت کا اظہار کیا ہے۔ اس میں اس کا نام جہاں کہیں تھا اسے محو کر دیا ہے اور دھوکے، قطعِ رحم اور ہمارے خلاف ظلم و زیادتی کی جو عبارت تھی اسے چھوڑ دیا ہے۔ اگر اس کی بات صحیح ہے تو سوچ لو۔ خدا کی قسم، اس صورت میں جب تک ہم میں کا ایک بھی فرد زندہ ہے ہم اسے تمہارے حوالہ نہیں کریں گے لیکن اگر اس نے جو کہا وہ غلط نکلے تو ہم اسے تمہارے حوالہ کئے دیتے ہیں۔ چاہے تم اسے قتل کر دو یا زندہ رہنے دو۔ انھوں نے کہا ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ جب صحیفہ کھولا گیا تو آپ کی بات صحیح نکلی۔ لیکن مخالفین اپنی بات سے مکر گئے اور کہنے لگے کہ تمہارے آدمی نے جادو کر دیا ہے[1]

قریش نے اسلام کی راہ روکنے کی جو زبردست کوشش کی اسے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۲/۴۴-۴۶

ان لوگوں کے ذریعہ ناکام کردیا جو اسلام کو اس کا دین نہیں مانتے تھے۔ جن کا دین و مذہب وہی تھا جو مخالفین کا تھا۔ ایک طرف آپ کا خاندان ابوطالب کی قیادت میں کھڑا ہوگیا اور پوری قوت سے آپ کا دفاع کیا، آخر وقت تک آپ کی حفاظت کی۔ کسی دباؤ کو انھوں نے قبول کیا اور نہ کسی کے سامنے جھکے اور آپ کی خاطر قید و بند کی شدید تکلیف برداشت کی۔ دوسری طرف بعض غیر مسلم سردارانِ قبائل ہی نے اس قید و بند اور مقاطعہ کو ختم کرایا جس میں آپ، آپ کے خاندان کے اہلِ ایمان بلکہ پورا خاندان بنو ہاشم گرفتار تھا۔ انھوں نے جیسا کہ بعض روایات بتاتی ہیں نہ صرف یہ کہ اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائی بلکہ طاقت کے زور سے اسے ختم کراکے چھوڑا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسی صورتیں بھی پیدا کرسکتا ہے کہ اسلام کو نہ ماننے والے بھی نازک وقت میں اس کی حمایت میں کھڑے ہوجائیں اور ظلم و عدوان کو ختم کرنے میں اپنا رول ادا کریں۔

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی ایک اہم پیش کش

مذہب کا اسلامی تصوّر

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اس کتاب میں معاملاتِ دنیا سے مذہب کی بے دخلی کے تصور کو اس کے خاص تاریخی تناظر میں دیکھا گیا ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ چرچ کے ناقابلِ بیان مظالم کے نتیجے میں یورپ میں چرچ اور اسٹیٹ کی علیحدگی اور مسیحیت سے بے زاری کے ساتھ خود مذہب سے بے زاری پیدا ہوگئی تھی۔ دوسرے باب میں قرآن اور سنت کی روشنی میں اسلام کے مطلوبہ تصورِ مذہب کو پورے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

آفسٹ کی عمدہ طباعت صفحات ۵۹۱ قیمت مجلد صرف ۱۰۰ روپے

ملنے کے پتے: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ ابوالفضل انکلیو۔ نئی دہلی ۲۵